4815CH09

دُنیا کی کہانی

محمد مجیب

پیدائش : 1902 (لکھنؤ)　　　وفات : 1985 (دہلی)

محمد مجیب اردو کے ممتاز نثر نگاروں میں ہیں۔ان کا اصل میدان تاریخ تھا لیکن اردو میں وہ ڈراما نویس کی حیثیت سے بہت معروف ہیں۔ان کے دو ڈراموں ''آزمائش'' اور ''خانہ جنگی'' کو غیر معمولی شہرت ملی۔ مجیب صاحب اردو کے علاوہ فرانسیسی، جرمن اور روسی زبان وادب سے بھی گہرا شغف رکھتے تھے۔

مجیب صاحب نے ڈاکٹر ذاکر حسین اور ڈاکٹر عابد حسین کے ساتھ جامعہ ملیہ اسلامیہ میں تدریسی اور انتظامی خدمات انجام دیں اور جامعہ کے وائس چانسلر کی حیثیت سے چوبیس سال تک اس سے وابستہ رہے۔

یہ اقتباس مجیب صاحب کی بہت مشہور کتاب ''دنیا کی کہانی'' سے ماخوذ ہے۔اس میں انھوں نے دنیا کے آغاز اور مختلف مخلوقات کے بارے میں واقعات کو نہایت دلچسپ انداز میں بیان کیا ہے۔ان کا انداز بہت دلچسپ اور آسان ہے۔اسے پڑھ کر دنیا کی ابتدا اور انسان کے سفرِ ارتقا کا حال معلوم ہوتا ہے۔

دنیا کی کہانی ایک عجیب داستان ہے کہ جس کی زبانی بیان ہو اُسی کے مطلب کی ہو جاتی ہے اور بہت چھوٹی بھی۔ بہت سیدھی سادی اور بہت الجھی ہوئی۔ وہ ہمیں دلاسا بھی دیتی ہے اور اُداس بھی کرتی ہے۔ لُبھاتی بھی ہے اور ڈراتی بھی ہے۔ وہ اُن کہانیوں کی طرح ہے جنھیں بچّے ضد کر کے رات کو سونے سے پہلے سنتے ہیں اور سنتے سنتے سو جاتے ہیں۔ وہ کہیں سے شروع نہیں ہوتی اور کہیں پر ختم نہیں ہوتی۔ اس میں جو سچّی باتیں ہیں وہ کہانی معلوم ہوتی ہیں اور بہت سی باتیں جنھیں ہم سچ سمجھتے ہیں جی بہلانے کے قصّے ہیں۔ وہ ہم میں سے ہر ایک کی آپ بیتی بھی ہو سکتی ہے اور ایک تماشا بھی ہے کہ جس میں آدمی کی صورت کی بس ایک جھلک سی دکھائی دیتی ہے، ایسی کہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ اُسے دیکھا یا نہیں دیکھا۔

© NCERT not to be republished

تو میں اس کہانی کو، جس کا سرا کہیں نہیں ملتا کہاں سے شروع کروں؟ اُس وقت سے جب دنیا پیدا ہوئی؟ یعنی کب سے؟ بچّوں کو تو ہم سمجھا دیتے ہیں کہ اس دنیا کو خدا نے بنایا۔ کب بنایا؟ کیسے بنایا؟ کیوں بنایا؟ یہ ہم نہیں جانتے اس لیے کہ ہم خود جانتے نہیں۔ لیکن ہر زمانے میں عقل مند لوگ اپنی لاعلمی کو چھُپانے اور کم سمجھ رکھنے والوں کی تسکین

کے لیے کوئی نہ کوئی دلچسپ کہانی سنا دیتے ہیں۔ سنسار کے بھیدوں پر کوئی ایسا خوبصورت پردہ ڈال دیتے ہیں کہ ہم پردے کو دیکھتے رہ جائیں اور یہ پوچھنا بھول جائیں کہ اس کے پیچھے کچھ ہے بھی یا نہیں۔ آج کل کے عقل مند لوگ کہتے ہیں کہ ہماری دنیا پہلے آگ کا ایک گولا تھی۔ اُس آگ کا نہیں جو ہمارے گھروں میں جلتی ہے، اس آگ کا بھی نہیں جو ہمارے دلوں کو گرم رکھتی ہے اور کبھی کبھی جلا کر بھسم بھی کر دیتی ہے۔ یہ ایک اور ہی آگ تھی جو بِن جلائے جلی اور بِن بجھائے بُجھ گئی۔ شاید یہ وہ چیز تھی جسے ہم بجلی کہتے ہیں؟ شاید نہیں تھی لیکن کبھی نہ کبھی دنیا آگ کا گولہ تھی ضرور، کیوں کہ ہمیں ایسے لاکھوں اور کروڑوں آگ کے گولے آسمان میں چکّر کھاتے دکھائی دیتے ہیں اور ہماری زمین پر اب بھی آتش فشاں پہاڑ جب چاہتے ہیں تو دہکتی آگ اُگل دیتے ہیں یا زمین کے اندر سے کھولتے پانی کے چشمے پھوٹ نکلتے ہیں۔ دوسرے آگ کے گولے جو دنیا سے بہت زیادہ بڑے اور بہت زیادہ پُرانے ہیں، اب تک آگ ہی آگ ہیں۔

دنیا میں یہ آگ پانی اور زمین کیوں بن گئی؟ یہ ہمیں نہیں معلوم۔بس ہماری قسمت میں یہی کچھ لکھا تھا۔
ہاں تو پھر ایک وقت آیا جب دنیا سرد پڑ گئی، بھاپ اور دوسری گیسیں پانی ہوگئیں، جو زیادہ سخت حصّہ تھا وہ چٹّان بن گیا۔ یہ سب ہوا کب؟ آج کل کے عقل مند زمین کی ساخت سے، چٹانوں اور دھاتوں سے کچھ حساب لگا سکتے

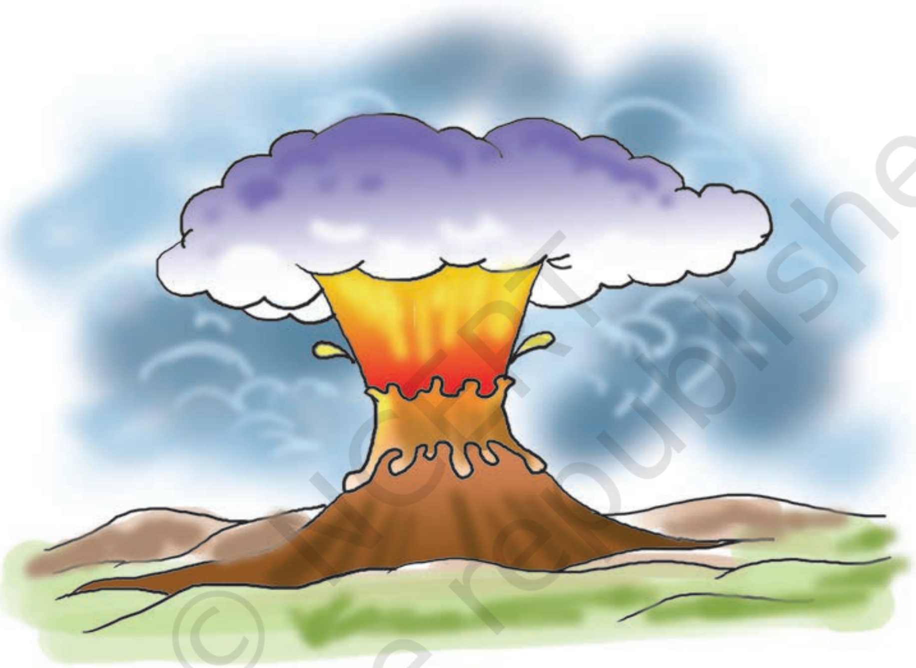

ہیں۔لیکن یہ حساب سنکھ دس سنکھ برس سے بھی آگے نکل جاتا ہے اور ہم ایسے ہیں کہ کل پرسوں کی بات بھی بس یوں ہی سی یاد رکھتے ہیں۔ بے چارے آدمی کی کھوپڑی میں سائنس کا یہ حساب سمانہیں سکتا۔اور جب سمانہیں سکتا تو اسے یہ حساب بتانے سے کیا فائدہ؟ لیکن عقل مندی بھی ایک چیز ہے اور شاید یہ بھی ایک طرح کا علم ہے کہ جس میں آدمی کہہ سکے کہ میں جانتا ہوں مگر سمجھتا نہیں، اس لیے کہ میری سمجھ چھوٹی ہے اور علم بہت بڑا۔میں اپنے چُلّو سے اِس سمندر کو ناپ نہیں سکتا تو نہ سہی پر میں جانتا تو ہوں کہ اس میں کتنے چُلّو پانی ہے۔اور کوئی میرے حساب کو غلط ثابت نہیں کر سکتا۔سائنس کا حساب بالکل چوکس ہے، فرق نکلا بھی تو کروڑ دس کروڑ کا ہوگا اور وہ کوئی بات نہیں۔لیکن کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ ایسا حساب کتاب کرنے والوں سے وہ لوگ زیادہ سمجھتے اور زیادہ جانتے ہیں جن کا یہ ایمان ہے کہ اس دنیا

© NCERT not to be republished

جہان کو خدا نے بنایا اور اس کا ہر ذرّہ اس کی قدرت کا کرشمہ ہے، اور اب تو وہ سائنس داں بھی جو اپنے علم کو ایک ڈھکوسلا نہیں بنانا چاہتے، کہتے ہیں کہ ہمارا حساب کا طریقہ ایک خاص حد کے آگے کام نہیں دیتا۔ ہم اپنے علم سے نہ یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ سورج چاند، تارے اور ہماری یہ دنیا خود بخود پیدا ہوگئی، نہ یہ کہ اُسے کسی نے پیدا کیا۔

جب دنیا سرد پڑ گئی تھی تو کہیں سے سمندر کی تہہ میں زندگی کا بیج پہنچ گیا۔ وہاں وہ پھٹا اور پھولا پھلا۔ لاکھوں

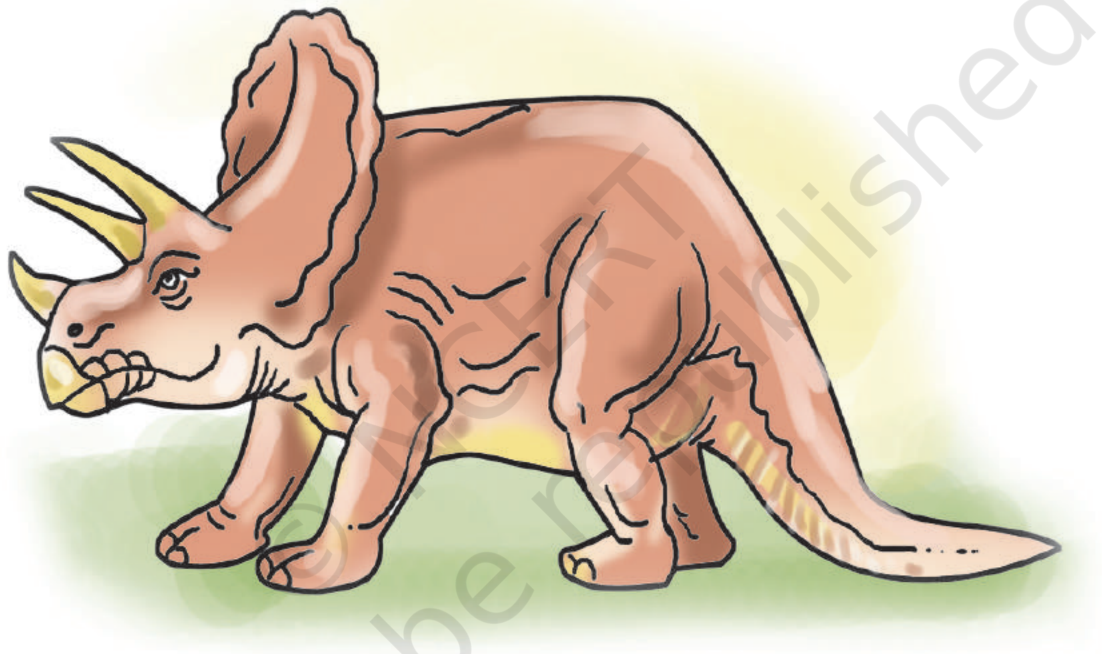

کروڑوں برس اس نے طرح طرح کے بھیس بدلے، آہستہ آہستہ یعنی وہی لاکھوں کروڑوں برس میں اس نے پودوں اور کیڑوں کی صورت میں خشکی کی طرف قدم بڑھایا۔ پانی کے بغیر یعنی سانس لے کے زندہ رہنے کی صلاحیت پیدا کی۔ پودے اونچے ہونے لگے اور سر اُٹھا کر آسمان کی طرف لپکے۔ جو کیڑے تھے وہ مچھلی بن کر تیرے، اُتھلے پانی میں پاؤں کے بل چلنے لگے۔ خشک زمین پر رینگنا شروع کیا، ہوا میں پرند بن کر اُڑے، چوپایوں کا روپ لے کر دوڑنے پھرنے لگے۔ کہتے ہیں کہ اُتھلے پانی اور خشکی میں زندگی نے جو یہ ابتدائی شکلیں پائیں وہ بڑی بھیانک تھیں۔ چالیس پچاس فیٹ لمبے مگرمچھ، بیس بیس ہاتھ اونچے ہاتھی، کسی جانور کی گردن اتنی لمبی کہ ہوا میں اُڑتے پرندوں کو پکڑ لے، کسی کا مُنہ اتنا

© NCERT not to be republished

بڑا کہ آج کل کی گائے بھینس کو نگل جائے اور ڈکار نہ لے۔ ایک جانور کی ہڈّیاں ملی ہیں جو مُنہ سے دُم کے سرے تک سو فیٹ سے زیادہ لمبا ہوگا۔ ان جانوروں کو جو نام دیے گئے ہیں وہ بھی ایسے ہی بھیانک برنٹوسورس (BRONTO SAURUS)، اکتھیوسورس (ICHTHYOSAURUS)، میگیلوسورس (MEGALOSAURUS) وغیرہ۔ لیکن دنیا کو شاید اپنی یہ اولاد پسند نہ تھی، یا یہ جانور بڑھتے بڑھتے ایسے بے ڈول ہو گئے کہ زندہ رہنا دشوار ہو گیا۔ بہرحال وہ غائب ہو گئے اور جب تک آج کل کے سائنس دانوں کو ان کی ہڈّیاں نہیں ملیں، کسی کو پتہ بھی نہ تھا کہ ایک زمانے میں ایسے دیو اور اژدہے ہماری دنیا میں آباد تھے۔

خشکی پر ان بڑے جانوروں کے بعد جو نئے نمونے نظر آئے وہ تھے تو ایسے ہی ڈراؤنے، مگر ان میں آج کل کے جانوروں کی طرح یہ صفت تھی کہ وہ اپنے بچّوں کو شروع میں دودھ پلا کر پالتے تھے۔ ایسے جانور شاید اس لیے کہ وہ

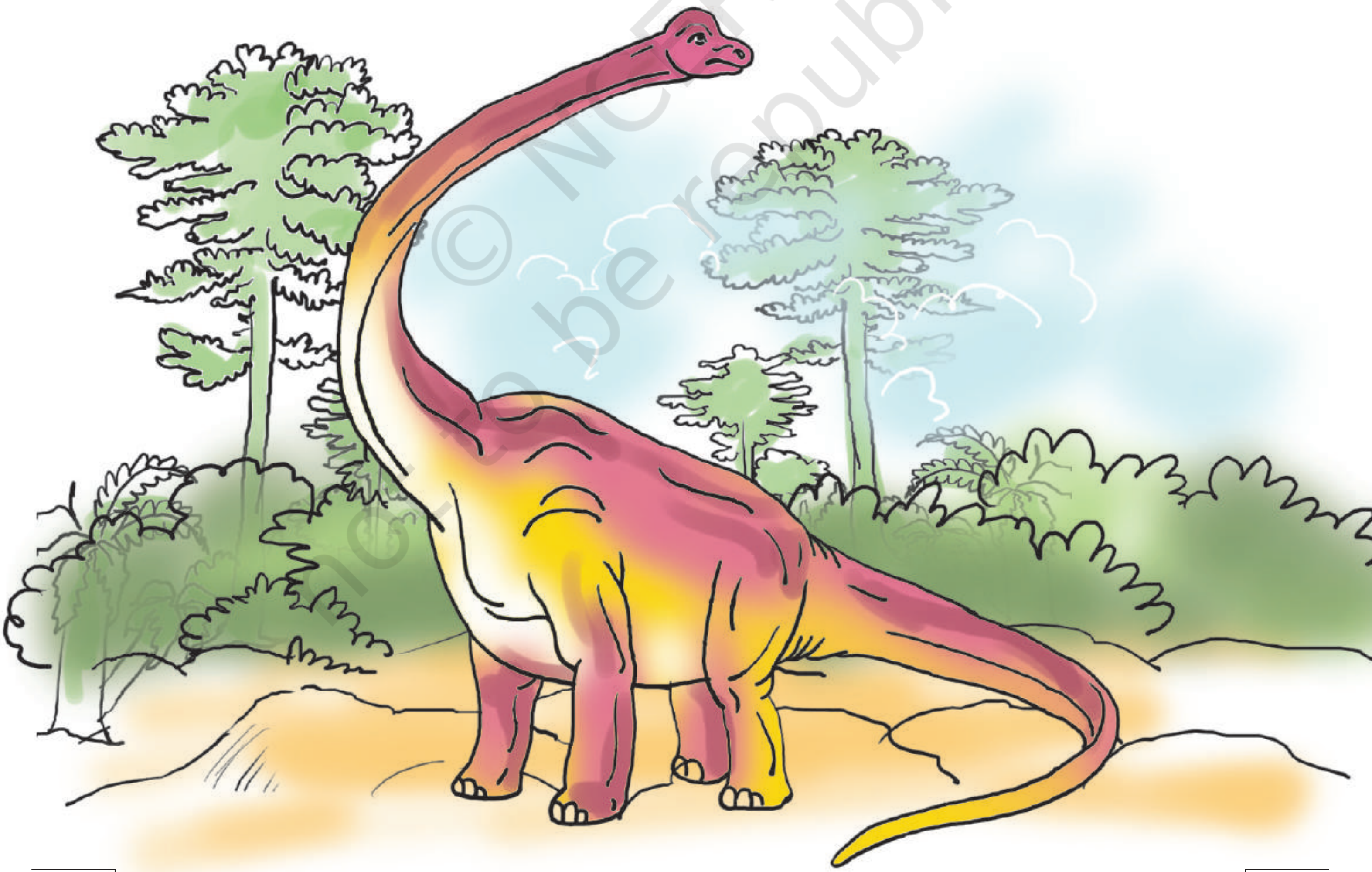

غولوں میں رہتے تھے، ماں باپ کو اولاد سے محبت تھی اور وہ اپنے بچّوں کی حفاظت کرتے تھے۔ پہلی قسم کے جانوروں سے زیادہ سخت جان نکلے اور دنیا کی مصیبتوں کو جھیل لے گئے پھر بھی ان کی بہت سی قسمیں مٹ گئیں۔ جو باقی بچیں ان

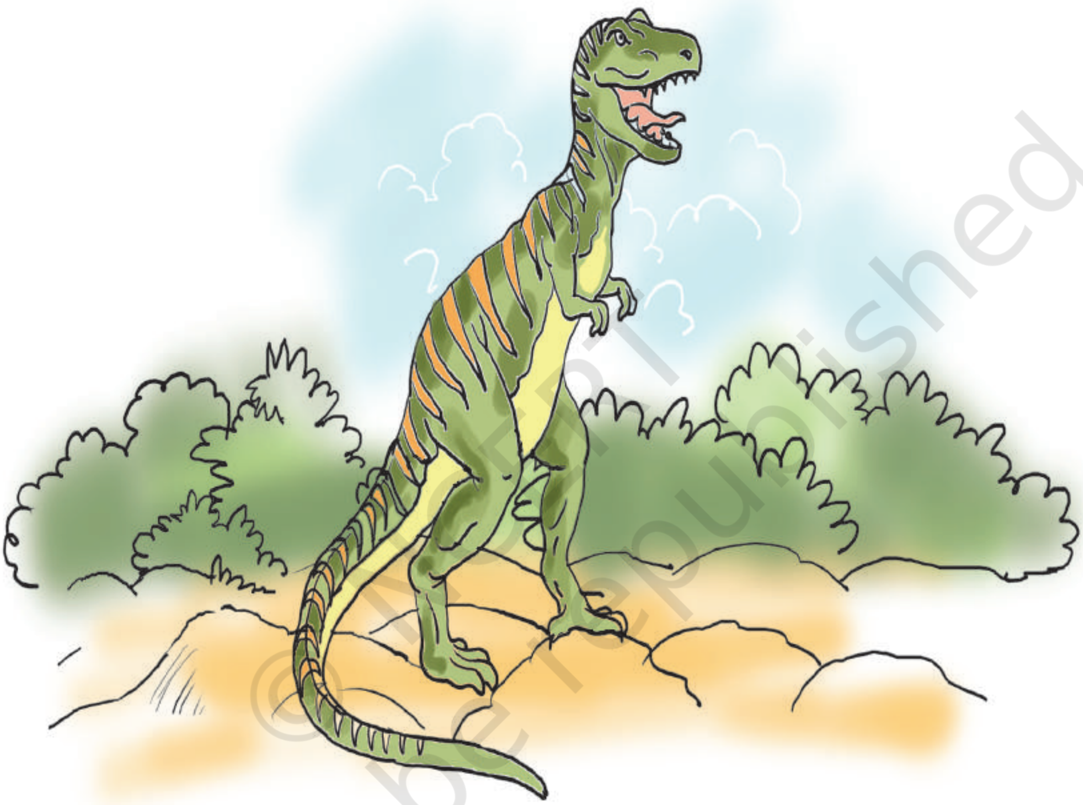

کے بھی جسموں میں ایسی تبدیلیاں ہوتی رہیں کہ وہ موسم کی سختیوں کو زیادہ اچھی طرح برداشت کرسکیں اور دوسرے جانوروں سے اپنی جان بھی بچاسکیں۔ اسی طرح ترقی کرتے کرتے جانوروں کی ایک قسم نے ایسی شکل پائی ہوگی جو آدمیوں کی شکل وصورت سے کچھ ملتی ہوگی۔ جانوروں کی اس قسم کو آسانی کے لیے بن مانس کہہ سکتے ہیں۔ ان بن مانسوں نے چار پیروں کی جگہ دو پیروں سے چلنا سیکھا اور اگلے دو پیروں سے پکڑنے، اُٹھانے اور پھینکنے کا کام لینے لگے۔ قدرت نے ان کی مدد کی اور ان کے اگلے دو پیر پنجوں کی طرح ہو گئے۔ ان کی زبان بھی کُچھ کُھل گئی اور وہ دوسرے جانوروں سے بہت زیادہ ہوشیار ہو گئے۔

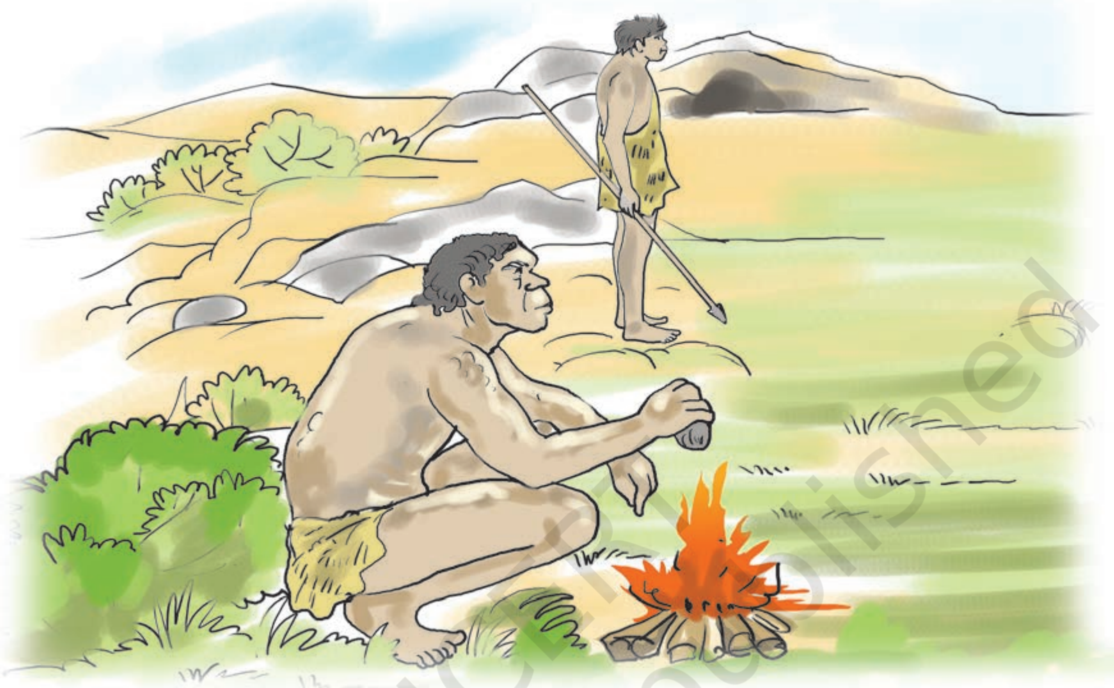

یہ سب ہزاروں برس میں ہوا اور پھر کہتے ہیں کہ دنیا کی آب و ہوا بدلی۔ وہ ایسی ٹھنڈی پڑی کہ اس کا بہت سا حصّہ برفستان ہوگیا اور برف کے کھسکتے اور پھسلتے پہاڑوں نے سب کچھ اپنے تلے روند ڈالا۔ پھر گرمی آہستہ آہستہ بڑھی۔ برفستان پگھل کر سمندر ہو گئے اور زندگی پھر اُبھری اور پھیلی۔ اس طرح چار مرتبہ ہوا اور اس وقت زمین میں کئی سو گز نیچے تک ہمیں جو کچھ ملتا ہے وہ ان ہی گرمی اور سردی کے پھیروں کی داستان سناتا ہے۔

(پروفیسر محمد مجیب)

سوالات

1. دُنیا کی کہانی کو عجیب داستان کیوں کہا گیا ہے؟
2. آج کل کے عقل مندوں کی دنیا کے بارے میں کیا رائے ہے؟
3. عقل مند لوگ سنسار کے بھیدوں پر خوب صورت پردہ کیوں ڈال دیتے ہیں؟

© NCERT not to be republished

4. جب دنیا سرد پڑ گئی تو کیا کیا تبدیلیاں رونما ہوئیں؟
5. زندگی کے بیج نے سمندر کی تہہ میں پہنچ کر کون کون سے بھیس بدلے؟
6. خشکی پر نظر آنے والے جانوروں کی کیا صفات تھیں؟
7. خشکی پر پائے جانے والے بھیانک جانوروں کو کیا نام دیے گئے ہیں؟
8. ہزاروں برس کے بعد جب دنیا کی آب و ہوا بدلی تو کیا کیا تبدیلیاں نظر آئیں؟

© NCERT not to be republished